میرؔ کی شاعری میں تصورِ انسانیت

Teaching Lecture

Subject : Urdu

Class : B.A. (Hons.) I

Topic : Meer Ki Shaeri Main Tasawwor e Insaniyat

Author : Dr. Fatahullah Quadri

Lecture Series No. : 39

میرؔ انسان اور انسانیت کا ایک واضح تصور رکھتے ہیں ۔وہ انسان کی عظمت اور اس کے وقار کے علمبردار ہیں ۔ان کے یہاں تصورِ انسانیت کی کوئی فلسفیانہ اساس نہیں تھی بلکہ ہمدردی، رواداری، یگانت اور جذبۂ انسان دوستی پر منحصر تھا۔نفاق اور تعصب اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں جن سے دامن بچا کر انسان انسانیت کے صحیح منصب پر پہنچ سکتا ہے۔میرؔ کے دور میں تصوف کا بول بالا تھا اور ذات گزینی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس طرح میرؔ کے یہاں بھی انسانیت کا تصور وہی ہے جو ہمارے صوفی شعراء کے یہاں نظر آتا ہے۔انسانیت اور انسان دوستی ہماری شاعری کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔لغت میں انسانیت کے معنی انسان ہونا، آراستگی بہ خصائل انسانی یا مروت، اخلاق، ملنساری کے ہیں ۔ یہ اصطلاح ایک خاص فلسفیانہ تصور کی بھی نمائندگی کرتی ہے ۔ڈاکٹر عابد حسین لکھتے ہیں:

’’جسے ہم اردو میں انسانیت کہہ سکتے ہیں انگریزی میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ایک عام معنی میں ایک خاص معنی میں ۔عام معنی میں یہ ہمہ گیر انسانی ہمدردی اور نوع انسانیت کی محبت سے عبارت ہے اور خاص معنوں میں یہ ایک فلسفیانہ تصور ہے جس کی رو سے انسان عام فطرت کی قوتوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہے۔نہ فوق فطرت قوتوں کے ہاتھ میں بلکہ اپنا ایک مستقل وجود، مستقل عقل و ارادہ اور پیمانۂ اقدار رکھتا ہے اور کچھ حدود کے اندر اپنی زندگی اور اپنی سیرت جس طرح چاہے تعمیر کر سکتا ہے۔‘‘(ارمغان مالک۔سید عابد حسین، ص ۹۰۔۸۹)

میرؔ کی شاعری میں تصورِ انسانیت انسانی ہمدردی اور نوع انسانی کی محبت کے جذبے کو پورے طور احاطہ کر لیتا ہے۔وہ جس دور میں جی رہے تھے وہ انسانیت کش دور تھا۔انسانی اقدار پامال ہو رہی تھیں ۔اس کے باوجود وہ جذبۂ انسانیت سے سرشار نظر آتے ہیں ۔انسان کو کائنات میں ضرور مرکزی حیثیت حاصل ہے اور وہ تمام مخلوقات عام میں ذی شور اور صاحب ادراک ہے۔البتہ صبح ازل سے ہی اسے مختلف چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا ہے سنیا میں قدم قدم پر تحفیظ ذات کے لئے اس سے زبردست مخالف قوتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ہندوستان کے اٹھارویں صدی کی تاریخ خارجی شکست کی تاریخ ہے۔اس دور مین انسان اور انسانیت کو مختلف قوتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔میرؔ نے نادر گردی کے زریعے انسانیت کو اپنی آنکھوں سے پامال ہوتے

دیکھا تھا۔ میرؔ کے تصورِ انسانیت کے دو نکتے بقول پروفیسر عبدالمغنی بہت نمایاں ہیں۔ ''ایک عظمت آدم دوسرا دوستی کا احترام''۔ اور یہ دونوں رویئے مل کر کلام میرؔ میں تلخی، گداز اور جان سوزی کے عناصر پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ ان قدروں کی شکست پر زبردست احتجاج کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسانی قدروں کی شکست کو انسانیت شکست کے مترادف گردانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو یہ اشعار:

آدمی سے ملک کو کیا نسبت
شان ارفع ہے میرؔ انساں کی
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

میر تقی میرؔ کے تصورِ انسان اور انسانیت کو اس وقت دھچکا لگتا ہے جب وہ اپنی تربیت کے برعکس انسان کو انسان پر شقاوت سے مسلط ہوتے دیکھ رہے ہیں، بچپن میں انہوں نے عشق حقیقی اور انسانیت کی باتیں سنیں تھیں، البتہ مرہٹہ گردی اور نادرگردی سے یہ تصورات متزلزل ہوتے ہیں، اس نے پانی پت کی جنگ کے بعد ابدالی کے سپاہیوں اور روہیلوں کے ہاتھوں دلی کو لٹتے دیکھا تھا، میرؔ ذکر میرؔ میں لکھتے ہیں:

''افواج نے شہر کے دروازے کو توڑ ڈالا اور لوگوں کو قید کر لیا، بہتوں کو جلا دیا اور سر کاٹ لیے، ایک عالم کو خاک وخون میں لٹایا اور تین دن رات تک ظلم سے ہاتھ نہ کھینچا۔........میں کہ پہلے ہی فقیر تھا اب اور زیادہ مفلس ہو گیا۔''

(ذکر میرؔ ص:257، ترجمہ: نثار احمد فاروقی)

چوں کہ وہ انسانیت، انسان دوستی اور عظمت آدم کا ایک واضح تصور رکھتے تھے، اسی وجہ سے وہ انسان اور انسانیت کی شکست کو کسی وجہ سے برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔ میرؔ کی شخصیت ان کے تہذیبی اور شخصی رویوں کے امتزاج سے تشکیل پذیر ہوئی تھی، وہ زندگی کے عام رویوں میں عجز اور خاکساری کا اظہار کرتے ہیں، مگر زندگی کے منفی اور کج روقوتوں کے سامنے وہ وقار اور انانیت کے ساتھ نبرد آزما ہو جاتے ہیں، اس طرح انسانیت کی شکست کو وہ انسان کی شکست کے برابر مانتے ہیں، یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جس کی
اسی کی آنکھوں میں پھرتی سلائیں دیکھیں

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل دماغ جن کو یہاں تاج وتخت کا

میرؔ کی ذہنی نشوونما صوفیانہ ماحول میں ہوئی تھی، اسی وجہ سے عمومی جذبات واحساسات کی ترجمانی کے ساتھ ان کے

یہاں تصوف اور اس کے مختلف مسائل کی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ وہ انسانوں کو مذہبی بنیادوں پر تقسیم نہیں کرتے۔ میرؔ کے یہاں تصوف کے کئی روپ ہیں، جس میں پہلا روپ زندگی کی فنا، ناپائیداری اور کم فرصتی کی شکل میں ابھرتا ہے، وہ انسانی زندگی کی ناپائیداری پر قدم قدم پر ماتم کناں نظر آئے، اس سے ان کے زندگی پرستانہ رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے، وہ زندگی کی بے ثباتی کو شدت سے محسوس کرتے ہیں اور اس کی ترجمانی مختلف پرائیوں میں کرتے ہیں۔

کہا میں نے گل کو ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
بے رنگ، بے ثبات یہ گلستاں بنایا
بلبل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا
نام آج کوئی یاں نہیں لیتا ہے انہوں کا
جن لوگوں کے کل ملک یہ سب زیرنگیں تھا

میرؔ کی شاعری میں تصور انسانیت، صلح جوئی، یگانگت اور تصور وحدت ادیان کی شکل میں بھی ابھرتا ہے، وہ مذہب وملت کے امتیازات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے ہیں، وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے برابر سوچتے رہتے ہیں، اس سلسلے میں احتشام حسین لکھتے ہیں:

''اس آواز میں ان تمام ہندوستانی مفکروں، صوفیوں، بھگتوں اور وسیع المشرب شاعروں کی آوازیں شامل ہیں، جن کے خیالات و افکار سے ہندوستانی تہذیب کے اس پہلو کی ترجمانی ہوتی ہے جسے قومی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ (کلیات میرؔ.....مرتب: احتشام حسین)

میرؔ کے یہاں ان تحریکوں کے خاص اثرات پائے جاتے ہیں جو تیرھویں صدی اور اور چودھویں صدی سے شروع ہو کر سترہویں اور اٹھارہویں صدی تک بھگتی اور تصوف کے مختلف دبستانوں کی شکل میں ہندوستان کے تمام بسنے والوں کو جذبات کی سطح پر ایک ہی لڑی میں پیرونا چاہتے تھے، اس وجہ سے وہ حرم و دیر، کعبہ و کلیسا کو الگ الگ اکائیوں کی صورت میں نہیں دیکھتے ہیں، بلکہ ایک ہی جلوے کی جلوہ گاہیں تصور کرتے ہیں:

راہ سب کو ہے خدا سے جان اگر پہچان ہے تو
ہوں طریقے مختلف کتنے ہی منزل ایک ہے
گوش کو ہوش کے ٹک کھول کے سن شور جہاں
سب کی آواز کے پردے میں سخن ساز ہے ایک
اس کے فروغ حسن سے چمکے ہے سب میں نور
شمع حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا

میرؔ وحدت الوجود کے قائل تھے، انسان اور انسانیت کے متعلق ان کے تصورات میں ایک اثباتی پہلو اجاگر ہوتا ہے،

اس اثباتیت کے تصور کا اصل سرچشمہ تصوف کے افکار سے پھوٹتا ہے، کیوں کہ صوفیانہ شاعری میں بھی انسان کی فضیلت اور فوقیت پر برابر زور دیا گیا ہے، اناالحق یا ہمہ اوست کے ڈانڈے انسان کی فضیلت اور فوقیت کے تصور سے ملتے ہیں:

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ورنہ
ورگرنہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتے

میر کے یہاں تصور انسانیت آفاقی قدر بن کر سامنے آتا ہے، اس سلسلے میں آل احمد سرورؔ رقم طراز ہیں:

''میرؔ کی شاعری میں آفاقی عناصر ملتے ہیں، آفاقی عناصر مثبت اور منفی دونوں قدروں کے احساس سے بنتے ہیں، ان قدروں پر ہر دور میں ایمان لانا ضروری نہیں، ان کی اہمیت کا احساس کافی ہے، میر انسانیت کے لیے نظام اخلاق ضروری سمجھتے ہیں۔'' (نقوش (میر نمبر)، ص:170)

اس طرح میرؔ کو تصورِ انسانیت کسی خاص مذہبی یا مسلکی زاویۂ نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں، بلکہ ایک مکمل اور آفاقی تناظر میں دیکھتے ہیں۔

❁❁❁❁❁